خدیجہ مستور کے ناول "آنگن" اور "زمین" میں طبقاتی نظام کی عکاسی

نصرت پروین
پی ایچ ڈی سکالر
ڈاکٹر ریحانہ کوثر
چیئرپرسن شعبہ اُردو لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

Abstract

The novel is based on reality and nature. The subject of the novel is man. Many writers have also highlighted the conflict between different class in their novels. In Khadija Mastoor's famous novel "Angan" and "Zameen", various aspects of the class system are seen to be interwoven. She has elevated her art by bringing out many hidden facts in her novels. Many writers have shown the reflection of reality from different aspects.

"Aangan" and "Zameen" reflects the division of the subcontinent. many hidden facts of the caste system are seen in both the novels of the author.

طبقہ (انگریزی لفظ (Class) کا اردو ترجمہ ہے طبقات طبقہ کی جمع ہے۔ ابتدائی عہد سے لے کر موجودہ وقت تک تمام تر انسانی معاشرے میں مختلف طبقے وجود میں آئے اس طرح ہر نسل، ذات، مذہب، فرقہ، جنس وغیرہ کی بنیاد پر بننے والے طبقے ہر سماج میں موجود رہے ہیں۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستانی سماج اعلیٰ وادنیٰ اور ذات پات کی تفریق کے سبب مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس سماج میں عزت کا معیاد دولت تھا کوئی شخص جتنا زیادہ دولت مند ہوتا تھا اتنا ہی محترم سمجھا جاتا اور اُس کو بڑی عزت دی جاتی اس کا شمار اعلیٰ طبقے میں ہونے لگتا۔ اس کے برعکس جو لوگ اقتصادی طور پر کمزور تھے اُن کا تعلق چاہے کسی بھی مذہب سے ہوتا انھیں نچلے طبقے میں شمار کیا جاتا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے معاشرے میں اہمیت کے حامل ٹھہرے اور محنت مزدوری کر کے روزی کمانے والے مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کا شمار نچلے طبقے میں ہونے لگا۔ اس خود ساختہ سماجی تقسیم کی وجہ سے معاشرے میں سماجی ناہمواری پیدا ہوتی گئی اعلیٰ وادنیٰ کی بحث شروع ہو گئی جوں جوں وقت آگے گزرتا گیا برصغیر کے باسیوں کے درمیان یہ تقسیم مختلف طبقات کی شکل اختیار کرتی گئی۔

اردو ناول نذیر احمد، راشد الخیری، عبد الحلیم شرر، مرزاہادی رسوا اور پریم چند سے ہوتا ہوا ترقی پسندوں تک پہنچا تو بڑی حد تک حقیقت پسندی اس میں داخل ہو چکی تھی خاص طور پر پریم چند نے غریب کسانوں اور نچلے طبقے کے مسائل کی عکاسی کر کے بہت سے حقائق کو سامنے کھڑا کیا ان مسائل کی واضح عکاسی نے ترقی پسندوں کی راہ ہموار کر دی تھی اس حوالے سے مصروف نقاد ممتاز شیریں لکھتی ہیں

"وہ ادب جو زندگی کو اپنے حقیقی روپ میں پیش کرے جس میں زندگی کی تفسیر ہی نہیں تنقید بھی ہو اور جس میں زندگی کو بہتر بنانے کی صلاحیت ہو"

انیسویں صدی کے شروع ہونے تک دو واضح طبقات اونچا طبقہ اشرافیہ کی صورت میں اور کسان مزدور دانہ نچلے طبقے کی صورت میں تقسیم ہو کر سامنے آ چکے تھے۔ کبھی یہ جاگیر دار اور کسان کی صورت میں ظاہر ہوئے اور کبھی سرمایہ دار ار مزدور کی صورت میں ان کا وجود ظاہر ہوا۔ ان تمام صورتوں میں ایک استحصالی رویہ سامنے آیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا تعلق بظاہر تو سماج اور سیاست سے تھا مگر اس کے اثرات زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ ساتھ ادب پر بھی بڑے۔ ادب اور سماج کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور ادیب کو معاشرے کی آنکھ کہا جاتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے اُسی کو اپنی تحریر میں لاتا ہے اس لیے سماجی اتار چڑھاؤ اور حالات واقعات کی جھلک ادب میں بھی نظر آتی ہے ادیبوں اور شاعروں نے ان حالات سے متاثر ہو کر اپنا پیغام قوم تک پہنچانے کی ذمہ داری اٹھالی۔ ان حالات میں سرسید احمد کی تحریک منظر عام پر آئی۔

بقول ڈاکٹر سلیم اختر

"۱۸۵۷ کا انقلاب بہت بڑا طوفان تھا لیکن سرسید تحریک بھی کسی طوفان سے کم ثابت نہ ہوئی یہ ایسا طوفان تھا جس نے مسلم سماج کے تمام طبقات میں خیالات کی حیات بخش رو دوڑادی"

سرسید کی تحریک میں شامل جن ادیبوں نے ادب کو معراج تک، پہنچایااُن میں اہم نام مولوی نذیر احمد کا ہے نذیر احمد اردو میں ناول کی صنف کی بنیاد رکھنے والے ادیب ہیں۔ انھوں نے ناول کو داستان اور قصے کہانیوں کی سطح سے بلند کر کے زندگی کے قریب کر دیا اور یہ کہانیاں اور اصلاحی قصے ناول کی بنیاد ثابت ہونے رام بابو سکینہ نذیر احمد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"خاص چیز جو ان کی نثر کا جوہر اعلیٰ ہے وہ اُن کا ظریفانہ رنگ ہے جو اُن کے ناول لیکچر اور مضامین سب میں بدرجہ اتم موجود ہے۔"

ناول نے داستان سے ہی جنم لیا ہے اس لئے ناول میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ اس میں سب کچھ سما جاتا ہے۔ حقیقت پسندی کی وجہ سے ناول کا مقام اور رتبہ داستان سے بلند ہو جاتا ہے ناول نگاری کا جو سلسلہ مولوی نذیر احمد سے شروع ہوا وہ آگے ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے اعلیٰ ناول نگار منظر عام پر آئے جنہوں نے ناول کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ حسن و عشق کے قصوں کے علاوہ حقیقت پسندی کو بھی منظر عام پر لانے کی بھرپور کوشش ادیبوں کا مطمع نظر رہی۔ لہذا بہت سے ناول نگار جن میں شوکت صدیقی، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، عبداللہ حسین، بانو قدسیہ محمد الیاس وغیرہ نے معاشرے کے چھپے ہوئے اور پوشیدہ گوشوں کو سامنے رکھ کر بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا۔

معاشرے کے اندر لوگوں کی سوچ اور طبقاتی تضاد کے مختلف پہلو مشہور مصنفہ ''خدیجہ مستور'' کے شہرہ آفاق ناول ''آنگن'' اور ''زمین'' میں بجا طور پر سامنے آئے ہیں۔ مصنفہ نے ان نالوں میں چھپے ہوئے حقائق کو سامنے رکھ اپنے فن کو معراج پر پہنچایا ہے۔

''آنگن'' کے لئے اگر بات کی جائے تو یہ ناول برصغیر کی تقسیم سے پہلے کے حالات کے تناظر میں لکھا گیا اس ناول کی خاص بات یہ ہے کہ اس کی کہانی ایک ہی خاندان کے گرد گھومتی ہے جو کہ مسلمان خاندان ہے۔ اس ناول میں برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کی نہ صرف تاریخ مل جاتی ہے بلکہ اس دور کا جیتا جاگتا معاشرہ بھی نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اور ناول کے بدلتے تناظر میں لکھتے ہیں:

> '' آنگن کے لئے اگر بات یہاں سے شروع کی جائے کہ کبھی کبھی کچھ ناول اس لئے بھی اہم ناول بن جاتے ہیں کہ ان کہ کہانی کا تعلق ان افراد سے ہوتا ہے جو اپنے عہد کے زبردست سیاسی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی بحران سے دوچار ہوتے ہیں تو مناسب ہو گا''

''آنگن'' کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں برصغیر کے عوام اپنی زندگی کی بڑی جدوجہد سے نبرد آزما ہیں اور آزادی کے حصول کے لئے سیاسی جد وجہد میں مصروف ہیں۔ افراد کی وفاداریاں بٹ چکی ہیں۔ ایک طبقہ آزادی کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے اور دوسرا آزادی کو ایک نئے ملک کی تخلیق کی طرف بڑا قدم تصور کرتا ہے اپنے اپنے مقصد کے حصول کے لئے ان افراد نے مسلم لیگ اور کانگریس کے پلیٹ فارموں سے

جدوجہد شروع ہو گی ہوئی ہے۔ بڑے چچا کانگریس کے حامی ہیں اور اُن کی طرف داری کرتے ہیں۔ اپنے اصولوں کے لئے وہ پورے گھر کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ گھر میں معاشی بحران ہے لیکن وہ اپنے گھر کے اندر موجود مسائل کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنے ماضی کو یاد کرکے روتے ہیں جب جاگیر دارانہ سماج میں اُن کو ہر قسم کی شہرت حاصل تھی۔ اسی گھر کے دوسرے فرد چھوٹے چچا مسلم لیگ کے حامی ہیں اور پکے انگریز دشمن ہیں اسی دشمنی میں وہ ایک انگریز افسر کا سر پھوڑ دیتے ہیں جس کی پاداش میں اُن کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر وہ جیل سے مر کر ہی نکلتے ہیں پورے سیاسی پس منظر میں ایک پوری زوال پذیر تہذیب جلوہ گر ہے یہ تہذیب اخلاقی پستی اور مکروہ روایات کی اسیر ہے۔ دادی جان اس تہذیب کی نمائندہ کردار ہیں۔ جو جاگیر درانہ سوچ سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پائی ہیں وہ خود کو دوسروں سے بلند سمجھتی ہیں اور حاکم خاندان کا فرد مانتی ہیں۔ اُن کا رعب اور دبدبہ سب پر ہوتا ہے اُن کو اس بات کا غرور ہے کہ اُن کا تعلق اعلیٰ خاندان سے ہے اس وجہ سے وہ دوسروں کو اپنے سے کم تر خیال کرتی ہیں وہ اپنے شوہر کی ناجائز اولاد اسرار میاں سے بہت نفرت کرتی ہیں۔ بڑے چچا بہت اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔۔ وہ اُن کو اپنی ڈیوڑھی میں جگہ دے دیتے ہیں۔

اسرار میاں جاگیر دار طبقے کی اُس پستی کی علامت ہیں جہاں بڑے بڑے رتبوں اور عزت والے لوگ مجبور اور بے کس لڑکیوں کو جال میں پھنسا کر اور دولت کا لالچ دے کر اپنی ہوس کا سامان کرتے ہیں پھر ناجائز اولادوں پر بجائے شرمانے کے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

کہانی کا مرکزی کردار عالیہ ہے جس کی ماں ہر وقت اُس کے سامنے ماضی کی باتیں کرکے اپنی بھڑاس نکالتی رہتی ہیں عالیہ کہ ماں بھی خود کو اعلیٰ خاندان کا فرد سمجھتی ہیں اور دوسروں کو حقیر۔ وہ عالیہ کو ہر وقت ماضی کی باتیں بتاتی رہتی ہے اور سسرال والوں کے قصے اور برائیاں کرکے عالیہ کے اندر نفرت بھرتی رہتی ہیں۔ عالیہ کی ماں کا رویہ رہنے شوہر کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بھانجے صفدر کو اپنے گھر میں لے آتے ہیں جو سلمیٰ پھوپھی کا بیٹا ہے۔ سلمیٰ پھوپھی اس ناول کا وہ کردار ہے جس کو اپنی پسند کی شادی ایک مزارع کے بیٹے سے بھاگ کر کرنے کے جرم میں لاتعلقی اختیار کرلی جاتی ہے۔ صفدر کو جنم دے کر سلمیٰ پھوپھی مر جاتی ہے اور صفدر کو عالیہ کے ابا گھر لے آتے ہیں اُس گھر آنے ہر اماں ہر وقت اُس کو طعنے دیتی رہتی ہے اور اُس کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتی ہے۔

> ”تمہاری سلمیٰ پھوپھی نے چودہ سال کی عمر میں اُن کا منہ کالا کر دیا تھا تمھاری دادی نے ایک دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صفدر کے باپ کا ہاتھ پکڑے سرگوشیاں کر رہی ہے۔ اسی دن دادی نے سلمیٰ پھوپھی کو کمرے میں بند کرکے اتنا مارا کہ سارا جسم نیلا ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سزا تو کم تھی انھیں تو زندہ دفنا دینا چاہیے تھا۔“

صفدر جس کا ٹھکانہ اب عالیہ کے گھر ہوتا ہے اُس کو مسلسل تنقید اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ طبقاتی تضاد میں میں وہ ہر وقت پستا رہتا ہے اُس کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے اُس کے ماں کے بدکردار ہونے کے طعنے ہر وقت اُس کو ملتے ہیں۔ماں کی بغاوت کی سزا صفدر کو ملتی ہے کھانے میں کبھی کچاسالن اُس کو دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی اُس طبقاتی سوچ کو عیاں کرتا ہے کہ ایک فرد کی بغاوت یا گناہ کو معاف نہیں کیا جاتا بلکہ آنے والی نسلوں تک اُس کو بار بار دہرا کر ہر کسی کے سامنے عیاں کیا جاتا ہے۔ مصنفہ نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ بڑی اماں یعنی عالیہ کی والدہ جو خود کو دوسروں سے بلند رتبہ خیال کرتی ہیں اور صفدر سے ہتک آمیز رویہ رکھتی ہیں جن کو صفدر ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ لیکن اسی صفدر کو اُن کی بڑی بیٹی عالیہ کی آپا پسند کرنے لگتی ہے اور صفدر سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ اُس کی ماں کو جب حقیقت کا پتہ چلتا ہے تو وہ بہت غصے میں آجاتی ہے وہ بھلا کہاں برداشت کرتی ہے کہ ایک مزارع کا بیٹا اُس کی بیٹی کا شوہر بنے۔ وہ نہیں چاھتی کہ اُس کی بیٹی ایسے حقیر شخص سے بیاہی جائے اور نفرت کی آگ میں صفدر کو گھر سے نکال دیتی ہے اور تہمینہ کا رشتہ اُس کی مرضی کے خلاف جمیل سے طے کر دیتی ہے۔ اب یہاں تہمینہ کا کردار ایک ڈری اور سہمی ہوئی لڑکی کے طور پر سامنے آتا ہے جہاں وہ ماں کے سامنے مقابلہ نہیں کرتی مگر محبت کے ہاتھوں مجبور بھی ہوتی ہے۔ وہ گھر سے بھاگ بھی نہیں سکتی کیونکہ سلمیٰ پھوپی کی مثال اور ماضی اور اُس کا انجام اُس سے چھپے ہوئے نہیں تھے لہٰذا اُس میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ کوئی غلط قدم اٹھا کر پھر معاشرتی تضاد کے نظام میں ساری عمر طعنوں کا مقابلہ کر سکتی لیکن دوسری طرف وہ اپنی محبت کے ہاتھوں بھی مجبور ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ صفدر کی محبت کے ساتھ وہ کسی اور کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی۔ ایسی صورت میں وہ ذہنی تضاد کا شکار ہے۔ آگے کنواں اور پیچھے کھائی کے مصداق وہ درمیان میں پھنس گئی ہے دونوں صورتوں میں ہی اُس کو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پسنا ہوتا ہے۔ صفدر کے ساتھ شادی کرنے کی صورت میں بھی اور جمیل کے ساتھ کرنے میں بھی لہٰذا جب وہ سوچ سوچ کر تھک جاتی ہے تو وہ درمیان والی راہ نکالتی ہے یعنی موت کو ترجیح دیتی ہے۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری وہ خود کو ان تمام حالات سے نکل کر موت کو گلے لگانے کو ترجیح دیتی ہے اور آخر کار اپنی شادی سے ایک دن پہلے مہندی کی رات خودکشی کر کے تمام حالات سے چھٹکارہ پا لیتی ہے۔ اور اسی میں اپنی نجات سمجھتی ہے۔

مصنفہ نے تہمینہ اور صفدر کے کردار کے ذریعے ایک ایسے فرسودہ طبقاتی نظام کی طرف اشارہ کیا ہے جو انسان کو انسان کا درجہ نہیں رہتا جس کا انجام آخر کار تہمینہ کی موت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

خدیجہ مستور کا دوسرا ناول ”زمین“ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے ناول آنگن ختم ہوتا۔ ”زمین“ کو ”آنگن کی توسیع بھی کہا جاتا ہے۔ اس ناول میں کہانی کا پس منظر پاکستان بننے کے بعد کا ہے اس میں پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے اقدار کی شکست وریخت اور معاشرتی تبدیلیوں کا

قصہ بیان کیا گیا ہے۔ زمین حقیقت نگاری کی روایت میں تحریر کیا گیا ایک ایسا معاشرتی ناول ہے جس میں تمام کردار ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے متضاد طبقاتی رویوں اور خواہشوں کا اظہار کرتے ہیں۔

زمین کی کہانی پاکستان بننے کے بعد کے حالات کے گرد اس طرح گھومتی ہے کہ نئی ریاست میں بھی لوگوں کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ناول میں خدیجہ مستور نے ایک ہی گھر میں رہنے والے لوگوں کی سوچ کے انداز کو بڑی ہنر مندی سے دکھایا ہے۔

ناول کا اہم اور مرکزی کردار ساجدہ ہے جو ایک قافلے کے ساتھ اپنے ابا کے ساتھ پاکستان پہنچتی ہے اُس کو بڑی امید ہے کہ یہاں اُس کو لینے صلاح الدین عرف صلّو آجائے گا جس سے وہ بہت پیار کرتی ہے مگر اُس کی تمام امیدیں دم توڑ دیتی ہیں اُس کے ساتھ ہی اُس کا ابا بھی فوت ہو جاتا ہے یہ صدمہ اُس کے لئے بہت گہرا تھا کیونکہ اب اُس کے پاس کوئی سہارا نہیں ہوتا جہاں وہ جائے پھر ادارہ بحالی میں کام کرنے والا ناظم اُس کو اپنے گھر لے جاتا ہے ناظم کے گھر والوں کے عملی رویے اور بیگانگی کو مصنفہ نے اس طرح عیاں کیا ہے۔

> ”تم نے گھر کو خیرات خانہ سمجھ رکھا ہے تم کو یہ خیال بھی نہیں کہ تمھارے باپ کتنے تھک چکے ہیں۔
> ۔۔۔۔۔ تمہیں پتا ہے کہ آٹا کتنا مہنگا ہو رہا ہے۔“

ناول کا ایک اہم کردار ”تاجی“ ہے جو اس گھر میں کام کرنے والی لڑکی ہے۔ ساجدہ اور تاجی دونوں سہلیاں بن جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے اپنا دکھ درد بانٹتی ہیں۔ ساجدہ جب تاجی سے اُس کے والدین کے بارے میں پوچھتی ہے تو تاجی جو جواب اُس کو اُس کو دیتی ہے وہ اس معاشرے کے طبقاتی تضاد کے بہت سے پہلوؤں کو عیاں کرتا ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ طبقاتی اور مذہبی تضاد کے وجہ سے لوگوں کو کس کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

> ”اب بتاؤ تمھارے بھائی، ماں، باپ کیا کوئی بھی نہیں؟ کوئی نہیں باجی ایک ماں تھی۔۔۔وہ بھی نہیں رہی۔ کیا وہ بھی مر گئی؟ ساجدہ کے لہجے میں دکھ تھا۔ مر جاتی تو اچھا تھا۔ جب میں بہت چھوٹی تھی تو اُس وقت میرا ابا مر گیا۔ ایک دو سال اماں نے مجھے کلیجے سے لگا کے رکھا۔ روتی رہی پھر ایک غیر مذہب کے آدمی کے ساتھ آنکھ لڑ گئی پھر برداری کو معلوم ہوا تو پنچائیت بیٹھی۔ اُس نے بھری برداری میں کہہ دیا کہ عشق ذات نہیں دیکھتا جیسے ٹوٹی بند کھاٹ نہیں دیکھتی۔ پھر اس نے مجھے پال لیا۔ مگر دس سال کی عمر میں مجھے کام پر لگا دیا۔۔۔۔۔زمیندار کے گھر برتن صاف کرتی۔ کپڑے دھوتی۔ میں نے اتنی محنت کی ہے باجی کہ اب اس عمر میں تھک گئی ہوں۔ پھر پاکستان بن گیا۔ کسی کو ذات برادری کی خبر نہ رہی۔

میری ماں نے مجھے ایک قافلے کے ساتھ دھکیل دیا کہتی تھی کہ اپنے ملک جا کر کسی شریف آدمی کا ہاتھ پکڑو۔ پھر وہ کڑے والے کا ہاتھ تھام کر غائب ہو گئی۔۔۔"

مصنفہ نے بڑی خوبصورتی سے معاشرے کے چھپے ہوئے پہلوؤں کو وا کر کے بہت سے پردے وا کیے ہیں۔ تاجی جو اس گھر میں کام والی لڑکی ہے لیکن اُس کی عزت اس گھر میں محفوظ نہیں ہے۔ کاظم جو ناظم کا بھائی ہے وہ تاجی کو اپنے دام میں پھنساتا ہے اور اُس کو وقتاً فوقتاً اپنی ہوس کا نشانہ بناتا رہتا ہے تو سب گھر والے اس بات کو جانتے ہیں مگر وہ کاظم کو اس غلط کام سے نہیں روکتے۔ کاظم کے غلط کاموں کی وجہ سے تاجی حاملہ ہو جاتی ہے خالہ جی! جو سب کچھ جانتی ہے وہ کاظم کو اس گھٹیا کام سے نہیں روکتی اور تاجی کے حمل ضائع کرواتی ہے اس بات سے بے خبر کہ اس میں تاجی کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے مگر اُس کی جان کی پروا کس کو ہے ؟ تاجی بے بس اور مجبور لڑکی یہ سب کچھ اس لئے برداشت کرتی ہے کہ اُس کے پاس کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے اس طرح ہر ظلم برداشت کرتی ہے۔

"صبح جب وہ اٹھی تو ہاتھ منہ دھوئے بغیر تاجی کو دیکھنے چلی گئی ۔ وہ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ رات اُس نے سکرات کے عالم میں گزاری ہے۔ اُس کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر پیڑیاں جمی ہوئی تھیں کوارٹر میں ایسے ہی سڑانڈ پھیلی ہوئی تھی جیسے کسی نے کچا کچا خون چھڑکا ہو۔"

مصنفہ نے اپنے دونوں ناولوں "آنگن" اور زمین میں طبقاتی تضاد کے بہت اعلیٰ نمونے پیش کر کے معاشرے کے تلخ پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ "آنگن" میں مصنفہ ہندوستان میں رہنے والی دونوں قوموں کے درمیان اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لئے کی گئی کوششوں کو مفاد پرستی کے زمرے میں لاتی ہیں جہاں ہر کسی کو اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے پاکستان کا مالی طبقہ مذہبی تحفظ میں اپنے سیاسی مسائل اور سماجی اقتصادی مسائل کا متلاشی ہے اس کے برعکس دوسرا طبقہ محض آزادی کو اپنے لئے بڑی نعمت تصور کرتا ہے لیکن خدیجہ مستور نے اس کشمکش میں کسی طرف بھی حمائت کا ثبوت نہیں دیا۔

"خدیجہ مستور کا کمال یہ ہے کہ سیاسی کشمکش کی کہانی میں انھوں نے ممکن طور پر غیر جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔۔۔ حالا کہ سیاسی پس منظر میں کردار تخلیق ہو کر کہانی کار کو اکثر جانب داد بنا دیتے ہیں لیکن خدیجہ اس بھنور سے نکل گئیں اور یہ دکھانے میں کامیاب ہو گئیں کہ غلامی کی زنجیروں میں کھڑے لوگ جب معاشرے میں تبدیلی چاہتے بس تو اُس عمل سے اُن کے اندرون میں کیا تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔"

اس طرح مصنفہ نے زمین میں بھی یہاں کے لوگوں کی مفاد پرستی اور سوچ کے تضاد کو بخوبی عیاں کیا ہے۔ ساجدہ کو اُس کی خواہش پر جب ایک کالج میں داخلہ دلوادیا جاتا ہے تو وہاں ساجدہ کو ایک جانا، پہچانا چہر نظر آتا ہے۔ آخر ایک دن وہ اُس کے قریب جا کر اُس کو پہچان لیتی ہے اور کہتی ہے کہ تم انوری ہو نہ ؟

تو بجائے کے خوش ہونے کے وہ گھبراتی جاتی ہے کیونکہ اب اُس کے رنگ ڈھنگ نرالے ہوگئے ہیں کیونکہ وہ اب کلو بابا کی بیٹی کے بجائے مل اونر کی بیٹی کے طور پر متعارف ہوئی ہے اور پچھلا پس منظر اُس کے لئے بے عزتی کا باعث ہے۔ وہ ساجدہ سے کہتی ہے کہ یہاں کوئی نہیں جانتا۔ کہ میں بہشتی کی بیٹی ہوں۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ میں مل اونر کی بیٹی ہوں وہ، ساجدہ کو بتاتی ہے کہ ابا نے اپنا نام بھی بدل لیا ہے اب وہ سرور حسین کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ ساجدہ سے التجا کرتی ہے کہ وہ اُس کے باپ کے بارے میں کسی کو نہ بتائے ورنہ اُس کی عر بے عزتی ہوگی کہ وہ جھوٹی ہے۔

''آنگن'' میں طبقاتی تضاد کا اہم کردار داداخود ہیں۔ وہ خود تو چاہیں کریں انھوں نے کئی کئی داشتائیں رکھی ہوئی ہیں جن کے بچے بھی تھے اسرار میاں بھی انھیں میں سے ایک تھے جن کو گھر میں کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ داداخود اتنی شادیاں کرتے ہیں مگر جب اپنی بیٹی ایک غریب مزدور کے ساتھ بھاگ جاتی ہے تو برداشت نہیں کرسکتے اور سب داشتاؤں کو نکال دیتے ہیں اور بچوں کو رکھ لیتے ہیں۔

اس طرح ''زمین'' میں مالک کا کردار طبقاتی تضاد کے حوالے سے اس طرح ابھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ سلیمہ کی ماں خالہ جی کو اپنے گھر میں لے آتے ہیں کیونکہ وہ اُن سے پیار کرتے تھے اور اپنی بیوی اماں کو کچھ بھی نہیں سمجھتے لہذا وہ بھی اپنے لئے جنگ لڑنے کے بجائے گوشہ نشینی اختیار کر لیتی ہے اُس کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ گھر میں اچھا برا کیا چل رہا ہے۔

وہ اپنی کم مائیگی کا بدلہ اس صورت میں لیتی ہے کہ سب لا سے تعلق ہو جاتی ہے۔ ہر چیز کو جاننے بوجھتے تمام حقائق سے نظریں چراتی ہے۔ کاظم کے غلط کام اور تاجی کی بے بسی سب اُس کے سامنے ہے مگر وہ بے بسی کی تصویر بن کر سب کچھ برداشت کرتی ہے۔

''آنگن'' میں طبقاتی تضاد کا پسا ہوا کردار کُسم دیدی ہے جو ہندو ذات کی ہے اُس کا خاوند جلیانوالہ باغ کے جلسے میں مارا جاتا ہے اور وہ بیوہ ہو کر اپنے باپ کے گھر آجاتی ہے۔ اُس کو کوئی اچھا نہیں سمجھتا سب اُس سے دور بھاگتے ہیں وہ تہمینہ کو دل کا حال سناتی ہے اور لوگوں کے بدلے ہوئے رویے کا ذکر کرتی ہے کہ سب مجھے بیوہ جان کر میرے سائے سے بچتے ہیں۔ آخر ایک دن وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے اور ایک لڑکے سے شادی کر لیتی ہے جو بعد میں اُس کو دغا دے کر چھوڑ جاتا ہے اُس کو پھر واپس اپنے باپ کے گھر آنا پڑتا ہے۔ مگر لوگوں کی باتوں اور رویوں سے تنگ آکر آخر کار وہ کنوئیں میں کود کر جان دے دیتی ہے اور اس فرسودہ نظام کی بھنیٹ چڑھ جاتی ہے۔ عالیہ کی آپا تہمینہ بھی اس نظام کی ڈسی

ہوئی اپنے لئے موت کا راستہ چنتی ہے۔ یہ ہمارے معاشرتی تضاد پر ایک گہرا طمانچہ اور کاری ضرب ہے کہ منہ سے ڈر کے مارے کچھ نہ کہنا لیکن ایک قیمتی جان چلی جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اُس نے محبت کی اور آخر تک نبھایا بھی اگر بغاوت کرتی تو سلمٰی پھوپھی بن جاتی جس کو معاشرہ کبھی بھی معاف نہ کرتا اور اگر جمیل سے شادی کر لیتی تو خود اپنے اندر کی کشمکش اور تضاد میں ساری عمر گزار دیتی۔

معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کی بھرپور عکاسی ''آنگن'' میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے اس سے نہ صرف یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کچھ لوگوں نے آزادی کے لئے جان کی بازی سے بھی گریز نہیں کیا اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی تھے جن کو ایسے حالات میں بھی اپنی دولت اور جاگیرداری کی فکر سوار تھی اور وہ مفاد پرست بن کر ہی سوچتے رہے۔ زمین میں مصنفہ نے معاشرتی تضاد کے حوالے سے ایک اہم کردار لالی کا بیان کیا ہے جس کو اُس کا خاوند ہر وقت مارتا پیٹتا رہتا ہے۔ لیکن لالی اس طرح کے حالات میں بھی خوش ہے کیونکہ اُس کو مالی طور پر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اپنا بڑا سا گھر ہے نوکر چاکر ہیں ان سہولتوں میں وہ خوشی سے زندگی گزارتی ہے مگر اُس کو اس بات کا افسوس ہے کہ اُس کا خاوند اُس کی عزت نہیں کرتا اُس کو ہر وقت مارتا رہتا ہے وہ ایک ایسا شخص ہے جس نے لالی سے شادی اس لئے کی تھی کیونکہ لالی کے باپ نے اُسے آٹھ مربعے زمین لالی کو جہیز میں دینے کا وعدہ کیا تھا جو اُس کو ملی نہیں تھے کیونکہ لالی کا باپ ایک دھوکے باز شخص تھا جس نے اپنے داماد کو سبز باغ دکھائے تھے اُس کے پاس کونسا اتنی زمین تھی جو اُس نے بیٹی کو دینی تھی اُس نے تو بس اپنی آخری بیٹی سے چھٹکارہ پانا تھا۔ بیٹی کی شادی کر کے اُس نے خود کچھ دن کے بعد ایک جوان پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کر لی اور لالی کی ماں کو آبائی حویلی چھوڑ کر چلا گیا اور شہر آ گیا۔ اب لالی روزمار کی صورت میں یہ سزا بھگتتی۔

مصنفہ نے غریبوں پر ہونے والے استحصال کو ''آنگن'' اور زمین دونوں میں بڑی ہنر مندی سے اجاگر کیا ہے ''آنگن'' میں کریمن بوا'' جو گھر میں کام والی اور خادمہ کی حیثیت سے رہ رہی ہیں ایک وفا کا پیکر ملازمہ ہیں سب کا خیال رکھتی ہیں دادی کے مرنے کے بعد اُن کو یاد کر کر کے روتی ہیں۔ عالیہ کے پوچھنے پر کہ کر دادی اُس سے اتنا پیار کرتی تھیں جو تم قرآن پاک پڑھ کر بخشتی ہو اور روتی ہو تو کریمن بوا نے اپنی قمیض سرکا کر عالیہ کو دکھائی اور اُس کی طرف گھوم گئیں۔ اُن کی پیٹھ پر سیاہ نشان تھے اور جگہ جگہ سے سفید چربی نکلی ہوئی تھی۔ یہ سزا تھی جو مالکن نے اُس کو کسی کوتاہی کی صورت میں دی تھی لیکن اس کے باوجود جب تک دادی زندہ رہیں کریمن بوا اُن پر جان نچھاور کرتی رہیں۔ کبھی گلہ شکوہ نہ کیا اور نہ کبھی برائی کی۔

''زمین'' میں تاجی استحصال شدہ طبقے کی اہم مثال بن کر ابھرتی ہیں۔ وہ بے سہارا لڑکی گھر کا سارا کام سنبھالے ہوئے ہے۔ مگر کاظم اُس سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اس کو کبھی کبھار کوئی پیسے پکڑا دیتا ہے اور پھر اس سے محبت کا ڈرامہ کھیلتا ہے اور تاجی جو محبت کی بھوکی تھی اُس کے دام میں آ جاتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ افسر لگ گیا تو رشوت کے مال کی طرح تاجی کو حق سمجھ کر استعمال کرنے لگا۔ اُس کے ہونے والے غلط کام

اور ہوس کے نتیجے میں تاجی کئی بار حاملہ ہو جاتی ہے۔ پھر بار بار حمل ضائع کروانے کی وجہ سے ایک دن تاجی مر جاتی ہے۔ وہ کسی سے کچھ بھی نہیں کہہ پاتی کیونکہ وہ لاوارث ہوتی ہے کاظم غریب سمجھ کر اُس سے ہوس پوری کرتا ہے مگر غریب ہونے کہ وجہ سے نکاح نہیں کرتا۔ یہ ذہنی تضاد اور غریبوں پر ہونے والے استحصال کی عمدہ تصویر کشی ہے۔ تاجی کی بھی کچھ خواہشات ہیں، ارمان ہیں کہ کوئی اُس کا ہاتھ پکڑ کر عزت سے شادی کرے۔ مگر یہاں سب خاموش تماشائی بن کر اُس پر ہونے والے ظلم سے آنکھیں چراتے ہیں تاجی کی موت کے بعد جب ساجدہ اُس کی کوٹھری میں جاتی ہے تو وہاں اُس کو تکیے کے نیچے دوپوتڑے اور قمیضیں ملتی ہیں جو تاجی نے رکھی ہوتی ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ تاجی کو بھی ارمان ہے کہ وہ بھی زندہ بچوں کی ماں بنے اور اُن کو کپڑے پہنائے لیکن اس کے ارمانوں کی فکر کسی کو نہیں اور نہ کاظم کو اپنے کیے پر شرمندگی ہوتی ہے۔

غریب کو غریب سمجھ کر ہر طرح کی اذیت دی جاتی ہے۔ تاجی کے ساتھ مالک کے گھر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے معاشرے کا ایسا کڑوا سچ ہے جس کی طرف سب نظریں چرا کر گزرتے ہیں غریب کو غریب سمجھ کر ہر طرح کی اذیت دی جاتی ہے۔

کاظم جو تاجی سے تعلقات استوار کیے ہوئے ہے وہ صرف ٹائم پاس ہے۔ اپنے مطلب اور ہوس پرستی کے لئے وہ تاجی کو استعمال کر لیتا ہے مگر اُس کو نکاح میں لانے کی اُس میں ہمت نہیں ہے کیونکہ وہ گھر میں کام کرنے والی ملازمہ ہے۔ نکاح میں تو کوئی اچھے خاندان اور اونچے طبقے کی لڑکی اُس کی بیوی بننے کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک بڑے ضلع کا بڑا افسر ہے تاجی کی بے وقت موت اس استحصال معاشرے پر ایک تھپڑ ہے جس میں سب شریک ہیں۔

مصنفہ نے ''آنگن'' اور ''زمین'' دونوں ناولوں میں عورتوں اور مردوں کی سوچ کے تضاد کو اجاگر کیا ہے۔ ''آنگن'' میں جب عالیہ اپنی ماں کے ساتھ پاکستان آجاتی ہے تو ایک دن صفدر اچانک آجاتا ہے عالیہ اُس کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ وہ عالیہ کو شادی کرنے کی دعوت دیتا ہے تو عالیہ انکار کر دیتی ہے کیونکہ اُس کی بہن جو وفا کا پیکر بن کر جان کی بازی ہار گئی اور صفدر اُس کو بھول کر اُس کا ہاتھ مانگنے لگا۔ وہ صرف مطلب پرست نکلا اُس کی سوچ میں تضاد تھا۔ وہ حالات کا سامنا کرنے کے بجائے فرار ہو گیا اور اُس کی بہن نے موت کو گلے لگا لیا اور اب وہ پھر اپنے مفاد کے لیے سامنے آگیا۔

''زمین'' میں صلاح الدین صرف صلّو کا کردار بھی کچھ اس طرح تخلیق کیا گیا ہے جو بے حد مفاد پرستی اور مادہ پرستی میں مبتلا ہے۔ ساجدہ جو صلّو سے محبت کرتی ہے اور پاکستان آکر بھی اس انتظار میں رہتی ہے کہ ایک دن وہ آئے گا اور اُس سے شادی کرے گا۔ جب ناظم اُس کو شادی کی دعوت دیتا ہے تو وہ اُس کو آٹھ دن انتظار کرنے کا کہتی ہے کہ اخبار میں اس کو شائع کرو کہ وہ کدھر ہے؟ جب وہ نہ آیا تو ناظم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتی ہے۔

ساجدہ سے محبت کرنے والا صلّو آخر میں ایک مادہ پرست شخص کے روپ میں آتا ہے۔ صفدر کاظم کے پاس کوٹھی الاٹ کروانے کے سلسلے میں آتا ہے اچانک جب ساجدہ اس کو دیکھتی ہے تو یہ گمان کرتی ہے کہ وہ بڑی گرم جوشی سے دیکھے گا اور پوچھے گا کہ تم کہاں گئی تھیں؟ میں تم کو ڈھونڈ تا رہا۔ لیکن وہ مادہ پرست شخص ساجدہ کے بتانے پر کہ وہ کاظم کی بھابھی ہے خوش ہوتا ہے کہ اب سفارش پکی ہے اور اُس کو بتاتا ہے کہ سر گودھا میں اُس کی بڑی جاگیریں اور زمینیں ہیں اور بیوی بھی جہیز میں دس مربعے لائی ہے۔ صلّو کہتا ہے کہ اگلی بار اپنی بیوی سے اُس کو ملوائے گا۔ وفا کی پتلی ساجدہ کو بہت دھچکا لگتا ہے کہ وہ ساری عمر اُس کی محبت کے ڈورے میں بندھی رہی اور وہ کتنا بے وفا نکلا اور مادہ پرست نکلا صلّو کا یہ دوسرا روپ معاشرتی تضاد کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

ناول لکھنا ایک بڑا بہت فن ہے۔ اس میں محض تجربے مشاھدے، فکر و فلسفے ہی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ کہانی کے بیان کے کرب سے گزرنا ایک مسئلہ ہوتا ہے اس لئے معروف نقاد ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں۔

> ''خدیجہ مستور کے یہاں وہ سب تکنیکی و فنی صلاحیتیں ملتی ہیں۔ جو اچھے ناول کی تخلیق کا باعث ہوتی ہیں ۔ وہ کہانی بیان کرنے پر قدرت رکھتی ہیں خدیجہ کردار کی نفسیات کے دروازے ایک ایک کے وار کرتی چلی جاتی ہیں اور کہانی کسی چھوٹی سی ندی کے بہاؤ کی طرح آگے بڑھتی ہوئی کسی گہرے سمندر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔''

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو خدیجہ مستور کے دونوں ناول، آنگن ''اور ''زمین'' معاشرتی حوالے سے بہت سے رویوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ''آنگن'' میں چھوٹے چھوٹے کرداروں کے ذریعے بڑی معنی خیز باتیں کی گئی ہیں مثال کے طور پر اسرار میاں کے کردار، زوال آمادہ جاگیر دارنہ معاشرے پر گہرا طنز ہے اور قاری پر عجیب تاثر چھوڑتا ہے۔ ''زمین'' میں کھوکھلی روایات کا حامل مالک ہے جو اُن جاگیروں کو یاد کرکے آہیں بھرتا ہے اور آموں کی فصلوں کا ذکر کرتا ہے جو سرے سے اُس کی تھیں ہی نہیں اور اُس کے ساتھ تاجی جیسا کردار جو اس طبقاتی معاشرے کی گھناؤنی سوچ اور عمل کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ دونوں ناولوں میں مصنفہ نے طبقاتی تضاد کے اعلیٰ نمونے پیش کرکے حقیقت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز شیریں (مضمون) مشمولہ (اردو ادب کی ترقی پسند تحریک) مرتبہ، احمد پراچہ، فکشن ہاؤس لاہور، ص:۴۰

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳، ص:۳۲۲

۳۔ رام بابو سکسینہ (مرزا محمد عسکری مترجم)، تاریخ ادب اردو رہبر بکس لاہور، س ن، ص:۳۴۳

۴۔ ممتاز احمد خاں،ڈاکٹر۔اُردو ناول کے بدلتے تناظر۔ویلکم بک پورٹ کراچی،۱۹۹۳۔ص:۱۵۱

۵۔ خدیجہ مستور''آنگن''سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱،ص:۲۱۵

۶۔ خدیجہ مستور''زمین''مجموعہ سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،ص۵۱۸

۷۔ ایضاً:ص:۵۳۳،۵۳۲

۸۔ ایضاً۔ص:۵۵۲

۹۔ ممتاز احمد خاں،ڈاکٹر،اردو ناول کے بدلتے تناظر،ویلکم بک پورٹ کراچی،۱۹۹۳،ص:۱۵۳

۱۰۔ ممتاز احمد خاں۔ڈاکٹر،اردو ناول کے بدلتے تناظر،ویلکم بک پورٹ کراچی،۱۹۹۳،ص:۱۵۴،۱۵۵